علی نہیں لوٹے۔ آپ کے ساتھ چلے۔ تھوڑی دور چل کر آپ نے ان کو واپس جانے کا حکم دیا۔ "میں کس کے پاس جاؤں۔ میں آپ کے سوا کس کو رکھتا ہوں اور جانتا ہوں"۔ انھوں نے کہا اور پھر ساتھ چلے۔ تھوڑی دور کے بعد شیخ نے پھر ان سے لوٹ جانے کو کہا۔ "آپ میرے مخدوم و پیر ہیں۔ یہاں میں بغیر آپ کے کیا کروں گا"۔ "پھر جاؤ! یہ شہر تمہاری حمایت میں ہے"۔ شیخ نے کہا۔ آپ کا یہ آخری فرمان تھا۔ اب علی کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ روتے پیٹتے شہر واپس آئے۔ تا زندگی یہیں رہے۔ اُمّی تھے۔ صرف نماز ادا کرنا جانتے تھے۔ لیکن صادق تھے۔ علماء و مشائخ ان کی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ یہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے اور ولی اللہ تھے[1]۔ یہ سارے کرشمے شیخ جلال الدین تبریزی کے تھے۔

لکھنوتی، جہاں اب گور واقع ہے، بنگال کے آخری راجہ رائے لکھمن سن کا مغربی دارالحکومت تھا۔ اس کو بختیار خلجی نے فتح کیا تھا۔ بنگال میں مسلمانوں کا مرکز تھا۔ لیکن اب تک یہاں کسی شیخ کا قدم نہیں پہنچا تھا۔ یہاں شیخ جلال الدین کا آنا تھا کہ لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں آئے۔ مرید ہوئے۔ انھوں نے اس جگہ ایک خانقاہ تعمیر کی اور باغات اور زمین خرید کر لنگر خانے کے لئے وقف کیا۔ یہ سارا کام کر کے آگے بڑھے۔ بندر دیو محل پہنچے۔ اپنے لئے یہاں ایک تکیہ تعمیر کیا اور اس میں رہنے لگے۔ فضا حسب دلخواہ تھی۔ دل کھول کر اسلام کی اشاعت کی۔ بُت پرستوں کو خدا پرست بنایا[2]۔ جس مشن پر ہندوستان آئے تھے، وہ پورا ہوا۔ اسی کے ساتھ ساتھ زندگی کے دن بھی پورے ہوئے۔ ۶۴۲ھ میں واصل بحق ہوئے[3]۔ بندرگاہ ہی میں دفن ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد اس بندرگاہ کی آمدنی اُن کے لنگر خانہ کے لئے وقف کر دی گئی[4]۔

---

[1] سیر العارفین۔ ۸ص مطبوعہ) ۱۷۱ [2] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۸۳ - [3] سیر العارفین - ص ۱۷۱

صحیح بخاری کی فنّی خصوصیات

(از جناب مولوی محمد سلیم الدین صاحب - صدیقی ایم - اے)

یہ مقالہ موصوف نے اپنے استاذ حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کی نگرانی میں جامعہ عثمانیہ کے قاعدہ کے مطابق ایم - اے (دینیات) کے سلسلہ میں لکھا تھا - حضرت مولانا نے اسے ہمارے پاس برہان میں اشاعت کے لئے بھیجدیا ہے - مولانا کو برہان اور اہل برہان سے جو بزرگانہ و مشفقانہ تعلق ہے وہ رسمی شکریہ کی سطح سے بہت بلند و بالا ہے البتہ اس کی معذرت کرنا ضروری ہے کہ مقالہ کا ابتدائی حصہ جو تمہیدی حیثیت رکھتا ہے اور جس میں لائق مقالہ نگار نے زیادہ تر خود مولانا کے مضامین کو ہی سامنے رکھ کر جمع و تدوین حدیث پر کلام کیا ہے - ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے کیونکہ خود مولانا کا مقالہ تدوین حدیث برہان میں شائع ہو رہا ہے - اصل موضوع بحث سے متعلق صاحب مقالہ نے جو مفید معلومات خوش اسلوبی سے مرتب کر کے پیش کی ہیں وہ جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات کے شایان شان ہیں اور امید ہے کہ اس سے ارباب ذوق عموماً اور مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلبا خصوصاً فائدہ اٹھائیں گے - "برہان"

فن حدیث پر جو کچھ کام ہوا ہے اس کو ہم دو حصوں پر تقسیم کر سکتے ہیں ایک

تو متن حدیث کے نقطہ نظر سے اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث سے جو نتائج پیدا ہوں ان کو نکال کر احادیث کے ساتھ رکھا جائے اس سلسلہ میں تھوڑا بہت کام امام مالک نے موطا تصنیف کر کے کیا تھا مگر ان کا کام اول تو بہت مختصر تھا۔ جیسا کہ سب ہی کو معلوم ہے کہ امام مالک کا یہ مجموعہ صرف پانچ سو حدیثوں تک محدود تھا اور کون نہیں جانتا کہ حدیثوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیثوں کی کمی موطا کے نقائص میں سے ہے۔ ہر شخص کا نصب العین جدا ہوتا ہے اور پانچ سو حدیثوں کا یہ مختصر مجموعہ ان کے نصب العین کے لئے بہت کافی تھا۔

دوم بڑی کمی موطا میں یہ تھی کہ صرف فقہ کے عملی ابواب تک امام مالک نے دائرہ عمل کو محدود فرما دیا تھا ظاہر ہے کہ اسلام صرف فقہ کے عملی مسائل ہی کا نام تو نہیں۔ بلکہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انسانیت کے تمام پہلوؤں کے متعلق اپنے اندر بہترین نمونے رکھتی ہے اس ... لئے دوسرے ابواب کا ترک امام مالک کی ذات یا کام پر کوئی حرف نہیں لا سکتا کیونکہ امام مالک کے عہد میں زیادہ طلب فقہی مسائل کی تھی اس طلب کے مطابق رسد بھی مہیا ہو گئی اور بس۔

رہا دوسرا کام جو حدیث کے متعلق انجام دیا جا سکتا تھا۔ وہ سند کا مسئلہ ہے امام بخاری سے پہلے مسانید کی شکل میں گو یہ کام بڑے پیمانہ پر انجام دیا جا چکا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ سند کے راویوں کے جانچنے اور سند میں دوسری خصوصیتیں جو ہونی چاہئیں ان کی طرف کم توجہ کی گئی تھی۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے۔

وجلها بحسب الوضع جامعة   مسانید جو اس زمانے میں مدون کے گئے

بلىن مالايدخل تحت التصحيح	ہیں سب کا حال یہ ہے کہ ان میں ایسی روایتیں
والتحسين والكثير منها	بھی شریک کرلی گئی ہیں جن میں بعض صحیح بعض
يشتمله الضعيف فلا	حسن ہیں، اور بڑا حصہ ان روائتوں کا ضعیف
يقال لغثه سمين ؎۱	ہے، پس ان کتابوں کی کمزور روایتوں کو قوی
	نہیں قرار دیا جا سکتا ۔

یہی وہ ضرورتیں تھیں جن کی تکمیل کا تقاضا وہ زمانہ کر رہا تھا جس میں امام بخاری پیدا ہوئے ۔ اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ امام بخاری نے کیا کیا ۔

بخاری کی وجہ تصنیف عام طور پر کتابوں میں یہ دکھایا گیا ہے کہ امام بخاری کی کتاب کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ سنداً اس میں اعلیٰ ترین معیاری حدیثیں جمع کی گئی ہیں ۔ گویا اصح ترین حدیثوں کا جمع کرنا یہی مسئلہ امام بخاری کی نظر میں سب سے زیادہ اہم تھا ۔ اس خیال کی تائید میں لوگ اس قسم کی چیزوں کا بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً بخاری کی وجہ تصنیف کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر نے اور دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری کے اُستاد اسحٰق ابن راہویہ نے اپنے حلقۂ درس میں یہ خواہش ظاہر کی ۔

لوجمعتم كتابا مختصرا في سنة	کاش ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں
رسول الله صلى الله عليه وسلم	کے متعلق تم لوگ ایک مختصر سی کتاب جمع کردیتے

کہنے والے کہتے ہیں کہ یہی وہ تمنائی فقرہ تھا جو کہ امام بخاری کے دل کا پہلا تیر بنا وہی دل میں چبھتا رہا اور اس عظیم الشان خدمت پر اس نے امام کو آمادہ کیا جو آج دنیا کے سامنے "صحیح بخاری" کی شکل میں موجود ہے ۔ حافظ ابن حجر نے اسحٰق ابن راہویہ

؎۱ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری صہ ۵

کے مذکورہ بالا فقرہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ چونکہ گذشتہ مسانید میں صحت کا التزام نہیں رکھا گیا تھا بلکہ وہ زیادہ تر ضعیف روایتوں پر تھیں اس لئے امام بخاری نے یہ کتاب لکھی۔ فرماتے ہیں:-

فحرکت ھمتہ لجمع الحدیث	اسی چیز نے امام بخاری کی ہمت افزائی
الذی لا یرتاب فیہ امین	کی، یعنی ان حدیثوں کے جمع کرنے پر تیار
وقوی عزمہ علی ذالک [1]	ہوئے جن کی صحت میں ایک امانت دار آدمی شک نہیں کرسکتا۔

اس کے علاوہ اور بہت سے بزرگوں سے اسی طرح کے اقوال منقول ہیں مثلاً امام شافعیؒ کی طرف یہ جملہ منسوب کیا گیا ہے۔

اول من صنف فی الصحیح البخاری	سب سے پہلے صحیح حدیث جس شخص
ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل	نے جمع کی وہ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل
ثم تلاہ مسلم بن الحجاج	بخاری ہیں ان کے بعد مسلم بن الحجاج
القشیری [2]	القشیری نے اس کام کو انجام دیا۔

اس قسم کے فقرات نقل کرنے والوں کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام بخاری کے سامنے سند حدیث کے علاوہ متن حدیث کی خدمت کا کوئی لائحہ عمل نہ تھا۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ امام بخاری کے پیش نظر حدیث کی خدمت کے دونوں پہلو تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے دوسرے پہلو کی طرف بہت کم توجہ کی یا اس کو کم اہمیت دی تاہم اہل علم کے ایک طبقہ سے۔ خصوصاً شاہ ولی اللہ

---

[1] ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص۵ [2] ہدی الساری ص۸ بحوالہ ابن صلاح

محدث دہلوی کی نظرِ دقیق سے امام کی خدمات کا اتنا اہم پہلو کیسے اوجھل رہ سکتا تھا شاہ صاحب شرحِ تراجم کے دیباچہ میں فرماتے ہیں -

واراد ایضا ان یفرغ جھدہ	امام بخاری نے اپنی توجہ اس مسئلہ کی طرف
فی الاستنباط من حدیث	بھی مبذول کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	وسلم کی حدیثوں سے نتائج پیدا کئے جائیں
ویستنبط من کل حدیث	اور یہ کہ ایک ایک حدیث سے متعدد مسائل
مسائل کثیرۃ جدا وھذا امر	وقوانین پیدا کئے جائیں اور یہ ایک ایسا طریقہ
لم یسبقه الیه غیرہ ع۱	تھا جس کی طرف امام بخاری سے پہلے کسی
	نے توجہ نہ کی تھی -

النووی شارح مسلم نے بھی متن حدیث کے متعلق امام بخاری کی حدیث کے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے - فرماتے ہیں :-

لیس مقصود البخاری الاقتصار	امام بخاری کی غرض فقط یہی نہیں ہے
علی الاحادیث فقط بل مرادہ	کہ اپنی کتاب میں صرف صحیح حدیثوں کو
الاستنباط منها والاستدلال	جمع کر دیں - بلکہ اُن کا مقصد یہ بھی ہے
لابواب ارادھا ولھذا المعنی	کہ حدیثوں سے نتائج پیدا کئے جائیں
اخلی کثیرا من الابواب عن	اور جو ابواب انہوں نے قایم کئے ہیں
اسناد للحدیث واقتصر فیه	ان کے ثبوت میں حدیثوں سے استدلال
علی قوله فیه فلان عن النبی	کیا جائے یہی وجہ ہے جو بخاری کی کتاب

ع۱ شرح تراجم ابواب بخاری ص۳۱۲ مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن

صلی اللہ علیہ وسلم ونحو ذلك
وقد يذكر المتن بغير اسناده وقد
يورده معلقا وانما فعل هذا
لانه اراد الاحتجاج للمسئلة
التي ترجم لها واشار الى
الحديث لكونه معلوما وقد يكون
مما تقدم وربما تقدم قريبا
ويقع في كثير من ابوابه الاحاديث
الكثيرة وفي بعضها ما فيه حديث
واحد وفي بعضها ما فيه اية
من كتاب الله

کے بہت سے ابواب میں حدیث کا ذکر
بغیر اسناد کے پایا جاتا ہے۔ ان ابواب میں
بخاری نے صرف اس پر قناعت کیا ہے
یعنی فلاں شخص سے اس باب میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی گئی
ہے یا اسی قسم کے الفاظ میں وہ حدیث
کا ذکر کر دیتے ہیں، کبھی صرف حدیث کے
متن کو اسناد کے بغیر ہی درج کر دیتے ہیں
یعنی معلق روایتوں پر قناعت کی....
اور یہ سب انھوں نے اس لئے کیا ہے کہ
مقصود ان کا یہ تھا کہ اس مسئلہ پر دلیل پیش
کریں جسے باب کا ترجمہ بنایا ہے، اور حدیث
کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جس کی وجہ یہ
ہوئی ہے کہ عام طور پر اہل علم کو وہ حدیث
معلوم ہوتی ہے یا خود بخاری میں (سند
کے ساتھ) حدیث کا ذکر پہلے آچکا ہوتا ہے
یا قریب ہی میں اس حدیث کو روایت کر چکے
ہیں پھر بعض بابوں میں ایک ہی حدیث بلکہ کبھی
قرآن کی صرف کسی آیت ہی کا ذکر کر کے چھوڑ

صرف یہی لوگ نہیں بلکہ نووی سے پہلے مشہور محدث جلیل الاسماعیلی نے بھی امام بخاری کی خدمت کے اس پہلو کی طرف تنبیہ کی ہے۔ ابن خزیمہ نے الاسماعیلی کے ان الفاظ کو نقل کیا ہے:-

امابعد نانی نظرت فی کتاب الجامع الذی الفہ ابو عبداللہ البخاری ودایتہ جامعاً کما سمی لکثیر من السنن الصحیحہ ودالا علی جمل من المعانی الحسنۃ المستنبطۃ التی لا تکمل لمثلہا الا من جمع الی معرفۃ الحدیث ونقلتہ والعلم بالروایات وعللہا علماً بالفقہ واللغۃ وتمکنا منہا کلہا وتبحراً فیہا[1]	امابعد - اس فقیر نے اس "کتاب جامع" کا مطالعہ کیا جسے ابو عبداللہ البخاری نے تالیف کیا ہے واقعی میں نے ان کی اس کتاب کو "جامع" ہی پایا، جیسے انہوں نے اس کا نام "جامع" رکھا ہے یعنی صحیح حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ اس کتاب میں جمع ہو گیا ہے ماسوا اس کے ان کی اس کتاب میں بڑا سرمایہ ان حقائق اور نتائج کا بھی درج ہو گیا ہے جنہیں حدیثوں سے وہی آدمی نکال سکتا ہے جو حدیث کا بھی عالم ہو اور حدیث کے راویوں کے حالات سے بھی واقف ہو (اور مخفی کمزوریاں روایتوں میں جو پائی جاتی ہیں) جنہیں اصطلاحاً علل کہتے ہیں ان میں ماہرانہ بصیرت رکھتا ہو، نیز فقہ اور لغت میں بھی کافی دسترس رکھتا ہو اور ان علوم میں غور و فکر [illegible] ملکہ [illegible] ہو۔

---

[1] ہدی الساری صـ۶ بحوالہ امام النووی

اسماعیلی نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں ایک خاص نکتہ پیدا کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری کے نصب العین کا پتہ خود اس نام سے بھی چلتا ہے جو اپنی کتاب کا انہوں نے رکھا تھا یعنی "المسندی الجامع" مسند بلحاظ سند حدیث اور جامع باعتبار متن حدیث ورنہ اصطلاح محدثین میں "جامع" اور "مسند" کتب حدیث کی دو مختلف اقسام ہیں

ان جلیل القدر ہستیوں کے اس بیان کو سامنے رکھتے ہوئے امام بخاری کی خدمت کے اس پہلو کو نظر انداز کرنا قرین انصاف نہیں معلوم ہوتا اور حقیقت یہی ہے کہ اگر بخاری شریف کا بہ نظر غور مطالعہ کیا جائے تو خود بخود امام بخاری کی خدمت کا یہ پہلو سامنے آجاتا ہے ۔ اس کتاب کے تراجم اس کے لغوی و معنوی محاسن اور اور استنباط مسائل کا عجیب و غریب طریقہ اس کے ان ہی پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں ایک زمانہ سے موطا اور بخاری کے متعلق ایک قدیم اختلاف چلا آرہا ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ بخاری نے امام مالک کی پیروی کی حتیٰ کہ ترمذی کے مشہور شارح علامہ ابوبکر بن العربی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ

اِن کتاب الجعفی (البخاری)	الجعفی (یعنی امام بخاری) کی کتاب درحقیقت
هوالاصل الثانی والموطا هو	نقش ثانی ہے اور موطا کی حیثیت نقش اول
الاول واللباب ؎[1]	اور بخاری کی کتاب کے مغز کی ہے ۔

اور بعضوں کا خیال ہے کہ امام بخاری کا مقصد فقہ الحدیث نہیں بلکہ صرف صحیح الحدیث کا جمع کرنا تھا اس لئے وہ کہتے ہیں کہ دونوں کتابوں میں کوئی نسبت نہیں کیونکہ امام مالک نے ۔

؎[1] تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص

مزجه باقوال الصحابة وفتاوى — امام مالک نے حدیثوں کو صحابہ اور تابعین
التابعين ومن بعدهم — بلکہ تابعین کے بعد والوں کے اقوال سے
مخلوط کر دیا ہے۔

لیکن حافظ مغلطائی بخاری کے حنفی شارح اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا فرق بين البخاري والموطا — (مخلوط ہونے کے لحاظ سے) بخاری کی
في ذلك لوجوده في ايضاً في — کتاب اور موطا میں کوئی فرق نہیں ہے
البخاري من التعاليق ونحوها — کیونکہ بخاری میں بھی "تعالیق" کا جو حصہ ہے
اس کی حیثیت بھی تو وہی ہے (یعنی معلقات
بخاری صحابہ و تابعین وغیرہ کے اقوال پر
مشتمل ہیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری کے سامنے بھی وہی دونوں باتیں تھیں جو امام مالک کے پیش نظر تھیں مگر امام بخاری اس میدان میں امام مالک سے بازی لے گئے ہیں معرفۃ الحدیث سنداً و فقہ الحدیث معناً یہی وہ دو نظریے تھے جو ان اماموں کے پیش نظر تھے۔ سند کے لحاظ سے تو سب متفق ہیں کہ بخاری کی کتاب کا نمبر تمام کتب احادیث میں اوّل ہے رہا فقہ الحدیث تو اس میں کام کی نوعیت تو ایک ہی سی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ امام مالک کی کتاب کا کام صرف فقہی احکام تک محدود ہے اور بخاری میں علاوہ فقہی احکام کے انسانی زندگی کے دوسرے ان تمام شعبوں کو شریک کر لیا گیا ہے جن پر عموماً مذاہب میں خصوصاً اسلام میں بحث کی گئی ہے۔ اور یہ چیز بخاری کو ممتاز کرنے کے لئے کافی ہے۔

امام بخاری کے اتباع | غرض اس بات کو ماننا ہی پڑتا ہے کہ امام بخاری کے پیش نظر حدیث کے یہ دونوں پہلو تھے قبل اس کے کہ ان کے کام کے ان دونوں حصوں پر بحث کی جائے یہ مناسب ہوگا کہ مختصراً ان کاموں کا ذکر بھی کر دیا جائے جو فن حدیث میں امام بخاری کے بعد کئے گئے۔ کہ ان سے امام بخاری کی خدمات پر گونہ روشنی پڑتی ہے۔

حافظ ابن حجر ان کاموں کے متعلق فرماتے ہیں۔

تصنیف میں امام بخاری کے بعد بعض لوگوں نے ان کی پیروی کی جن میں حسن بن علی بھی ہیں مگر انہوں نے صرف سنن کی حد تک اپنے کام کو محدود رکھا۔ اسی گروہ میں ابو داؤد سجستانی بھی ہیں (جو) امام بخاری کے ہم عصر ہیں انہوں نے اپنی اس کتاب میں جس کا نام انہوں نے "سنن" رکھا ہے، امام بخاری ہی کی پیروی کی کوشش کی ہے البتہ ان کی کتاب میں یہ ہے کہ صحیح روایت اگر باب میں نہ ملی تو جن روایتوں کی سند میں گونہ ضعف بھی تھا ان کے درج کرنے سے احتراز نہیں کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے بعد ان بزرگوں نے فقہ الحدیث میں امام کی پیروی کی لیکن صحت احادیث کا التزام اس شدت سے نہ رکھ سکے۔ البتہ امام مسلم نے فقہ الحدیث کی طرف توجہ نہ کی اور صرف صحیح حدیثیں جمع کرنے کا تہیہ کیا۔ چنانچہ ان ہی کے متعلق حافظ نے لکھا ہے۔

کان یقاربہ فی العصر فرام مرامہ	مسلم بن الحجاج کا زمانہ امام بخاری کے زمانہ
وکان یاخذ عنہ او عن کتبہ الا	کے قریب تھا انھوں نے اسی نصب العین کو
انہ لم یضایق نفسہ مضایقۃ	سامنے رکھا جسے بخاری نے اپنی کتاب کی

ابن عبد اللہ وردی عن جماعۃ کثیرہ لم تیعرض ابو عبد اللہ للروایۃ۔[1]

تصنیف میں رکھا تھا، مسلم امام بخاری سے یا ان کی کتابوں سے استفادہ کرنے میں لیکن اپنی کتاب میں مسلم نے اتنی سخت گیریوں سے کام نہیں لیا ہے جتنی سختی امام بخاری نے اختیار کی اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلم نے ان لوگوں کی بھی روایتیں لے لی ہیں۔ جن سے بخاری نے نہ لی تھیں

حافظ ابن حجر کے ان اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے اگلے اس قسم کا کام پیش نہ کر سکے اسی طرح بخاری کے بعد آنے والوں سے بھی اس نوعیت کا کوئی کام پیش نہیں کیا اگر کسی نے سند حدیث کی طرف توجہ کی ہے تو فقہ الحدیث کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور کسی نے فقہ الحدیث پر دھیان دیا ہے تو سند حدیث کو نظر انداز کر دیا ہے مختصر یہ کہ یہ دونوں خوبیاں ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں یہ امام بخاری اور صرف امام بخاری کا حصہ تھا کہ اس قدر حسن و باسلیقگی سے دونوں پہلوؤں پر مساویانہ کام کیا ہے اور دونوں میں کامیاب رہے ہیں پس سچ کہا گیا ہے کہ سنداً بھی۔

لم یبلغ احدٌ من التشدد مبلغ ابن عبد اللہ

ابو عبد اللہ کی پرواز تک نہ تشدد میں کوئی ان کے برابر ہوا،

اسی طرح فقہ الحدیث کے لحاظ سے۔

ولا تسبب الی استنباط المعانی واستخراج لطائف فقہ الحدیث

اور نہ فقہ الحدیث تراجم الواب کے متعلق نتائج کے پیدا کرنے اور دقیق لطائف کے

---

[1] ہدی الساری ص۹ [2] ہدی الساری ص۹

(تراجم الابواب[1] استنباط میں کسی کو اتنی کامیابی ہوئی جتنی کامیابی بخاری کو ہوئی،

البتہ اس سلسلہ میں اور اس نوعیت کے کام میں اگر کسی نے کچھ امتیاز حاصل کیا ہے تو وہ امام ترمذی کا کام ہے۔

بخاری شریف کی سندی خصوصیات

سنداً امام بخاری نے اپنی کتاب میں کن کن خصوصیتوں کو پیش نظر رکھا اس کے متعلق خود امام بخاری سے صراحتاً کوئی چیز منقول نہیں المقدسی نے اپنی کتاب "شروط الائمۃ الخمسۃ" میں لکھا ہے۔

ان البخاری ومسلماً ومن ذکرنا	بخاری اور مسلم اور جن لوگوں کا میں نے ان کے
بعدھم لم ینقل عن واحد منھم	بعد تذکرہ کیا ہے ان میں سے کسی ایک سے
انہ قال شرطت ان اخرج	یہ منقول نہیں ہے کہ اپنی اپنی کتابوں کے متعلق
فی کتابی ما یکون علی شرط فلاں	انھوں نے اس کی تصریح کی ہو کہ فلاں فلاں شرط
	کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ عام طور پر یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ فلاں روایت بخاری کی شرائط کے مطابق ہے اور فلاں مسلم کی تو ان شرائط کی تصریح خود ان ائمہ نے نہیں فرمائی ہے۔ البتہ امام بخاری سے اس قسم کی روایتیں منقول ہیں مثلاً ایک تو یہی کہ اسحق ابن راہویہ نے اشارہ کیا تھا کہ صحیح حدیثوں کا ایک مختصر مجموعہ مرتب کیا جائے دوسرے محمد ابن سلیمان کے حوالے سے یہ واقعہ نقل

[1] ہدی الساری صـ۹

کیا جاتا ہے کہ بخاری نے ان سے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور امام بخاری کے ہاتھ میں پنکھا ہے اور مکھیوں کو آپ پر سے ہٹا رہے ہیں اس خواب کو تعبیر کے بعض ماہرین کے پاس پیش کیا جس کی تعبیر ان لوگوں نے یہ دی تھی کہ آنحضرت کی طرف جو جھوٹی باتیں منسوب کی گئی ہیں ان کے ازالہ کی توفیق امام بخاری کو بخشی جائے گی۔ امام بخاری اپنے اس کام کو اس خواب کی تعبیر قرار دیتے تھے اس کے علاوہ یہ بات بھی ان ہی سے منقول ہے جیسا کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے۔

ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ما صح	میں نے اپنی اس کتاب "الجامع" میں نہیں داخل کیا ہے مگر اسی روایت کو جو صحیح تھی۔

کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بخاری نے اپنے مستند اساتذہ احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی وغیرہ کے سامنے اپنی اس کتاب کو بہ نظر اصلاح جب پیش کیا تو ان تمام بزرگوں نے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے خراج تحسین پیش کیا اور اس بات کی شہادت دی کہ ان کی مندرجہ کتاب میں روایتیں صحیح ہیں صرف چار روائتوں پر کلام کیا۔

مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ صرف ان ہی دو بزرگوں یعنی امام بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں کی پشت پر "صحیح" کا لفظ لکھا ہے۔

مگر ان تمام اقوال و روایات سے زیادہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود ان اماموں کے نزدیک جو روایتیں صحیح تھیں ان ہی کو اپنی کتاب میں درج کرنیکی کوشش کی ہے مگر خود ان کے نزدیک صحت کے شروط کیا تھے اس کا کوئی تصریحی جواب ان کے کلام میں نہیں ملتا بلکہ بعد کو لوگوں نے ان بزرگوں کے طریقۂ عمل کا تتبع کر کے نتائج پیدا کئے ہیں جیسا کہ المقدسی نے لکھا ہے۔

انما یعرف ذلک من سبر کتبھم	ان بزرگوں کی کتابوں کی روائتوں کے جانچنے

ویعلم بذلک شرط کل واحد منهما ۔ اور پرکھنے سے ان شرائط کا پتہ چلتا ہے اور
درحقیقت ان ہی سے ان میں ہر ایک کے علمی
مقام اور مرتبہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔

بہرحال ایک ایسے شخص کے لئے جو بخاری کی خصوصیات بیان کرنا چاہے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ایسے علماء کی جانچ پرکھ کو پیش نظر رکھے یا زیادہ سے زیادہ وہ یہی کرسکتا ہے کہ لوگوں کی اس رائے پر تھوڑی بہت تنقید و تبصرہ کردے ۔ اس لئے ہم بھی اپنے اس کام کو اسی بنیاد پر آگے بڑھائیں گے ۔

اس سوال کے جواب میں کہ امام بخاری نے اپنی حدیثوں کی سند میں کن کن خصوصیتوں کا لحاظ رکھا ہے ۔ جن لوگوں نے امام بخاری کے طریقۂ عمل کو سامنے رکھ کر جواب دینے کی کوشش کی ہے ان میں سب سے پہلے صاحب مستدرک الحاکم کی وہ رائے ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب مدخل میں درج کیا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ علاوہ علم شرائط صحت کے صحابی سے بخاری تک دو دو راویوں کا ہونا ضروری ہے دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ بخاری کی ہر سند کی ہر کڑی اکہری نہیں بلکہ دوہری ہے ۔ اور یہی ایک بڑا امتیاز ہے جو دوسری کتابوں کی حدیثوں پر بخاری کی حدیثوں کو حاصل ہے ۔ لیکن بعد کو ارباب تحقیق نے حاکم کے اس دعوے کو واقعہ کے مطابق نہیں پایا ۔ المقدسی نے حاکم کی اس رائے کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ۔

ولعمری انه شرط حسن لو کان — کاش ! حاکم نے جس کلیہ کا دعویٰ کیا ہے ان
موجوداً فی کتابیهما الا انا وجدنا — دونوں بزرگوں (بخاری و مسلم) کی کتابوں کی
هذه القاعدة التی ادعی الحاکم — روائتوں پر منطبق ہو جاتا ، مگر واقعہ یہ ہے کہ

منتقضة فی الکتابین فمن ذلك	حاکم نے جو دعویٰ کیا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے
فی الصحابہ ان البخاری اخرج	دونوں کتابوں کی روایتوں کے متعلق ۔ مثلاً صحا
حدیث قیس ابن ابی هارون	بی کے طبقہ میں لیجئے ، بخاری نے قیس بن ہارون
عن مرداس الاسلمی "یذهب	کے واسطے سے صحابی مرداس اسلمی کی یہ روایت
السابقون اولا فاولا الحدیث"	نقل کی ہے کہ "یذہب السابقون الحدیث"
ولیس لمرداس راوٍ غیر قیس	اس حدیث کو مرداس سے قیس کے سوا کسی
واخرج البخاری عن الحسن	نے روایت نہیں کیا ہے ، اسی طرح حسن بصری
البصری عن عمر بن تغلب انی	کے واسطے سے بخاری نے عمر بن تغلب کی یہ روایت
لاعطی الرجل والذی ادع	نقل کی ہے کہ "انی لاعطی الرجل والذی ادع
احب الی الحدیث ولم یرو	احب الی " اس روایت کو عمر سے حسن
عن عمر غیر الحسن [1]	بصری کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا ہے

اسی طرح وفات ابی طالب والی حدیث جو سعید ابن المسیب عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے مروی ہے اس میں بھی مسیب سے روایت کرنے والے سوائے سعید کے کوئی دوسرے راوی نہیں ہیں۔

مقدسی کی اس تنقید کا خلاصہ یہ ہے کہ ان مثالوں کو پیش کرکے حاکم کے اس دعوے کی تردید کردی جائے۔ کہ بخاری کی سند کی ہر کڑی صحابہ سے آخر تک دوہری ہے۔ مگر حافظ ابن حجر نے مقدسی کی اس تنقید کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

والشرط الذی ذکرہ الحاکم   حاکم نے جس شرط کا ذکر کیا ہے اگرچہ بعض

---

[1] شروط الائمۃ الخمسہ ص

وان کان منتقصا فی حق بعض — صحابہ کی حد تک ان کا کلیہ ٹوٹ جاتا ہے۔
الصحابہ الذین اخرج لھم — لیکن صحابہ کے بعد کے راویوں کو پیش نظر رکھتے
فانہ معتبر فی حق من بعدھم — ہوئے اگر بخاری کی حدیثوں کی ..... سند کی
فلیس فی الکتاب حدیث اصل — کو دیکھا جائے تو ایسی ایک حدیث بھی اللہ کی
من روایہ من لیس لہ الا راو واحد — اس کتاب میں نہ ملے گی، جس کا راوی ایک
قط[1] — ہی ہو۔

اگر حافظ کا یہ دعویٰ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو بخاری کی حدیثوں کی مزیت کے لئے یقیناً یہ بہت بڑی ضمانت ہے صحابہ بالاتفاق عدول مان لئے گئے ہیں اس لئے ان کا بیان تائید کا چنداں محتاج بھی نہیں ہے زور پہنچانے کی ضرورت تو صحابہ کی بعد والی کڑیوں میں ہے کیونکہ وہی لوگ محل کلام ہیں اگر اس لحاظ سے حاکم کا دوہری سند والا دعویٰ صحیح ہے تو کیوں نہ سمجھا جائے کہ ان کی مراد بھی یہی تھی اور شاید مقصد کے ادا کرنے میں ان سے غلطی ہوئی ہو یا کتابت کی غلطی ہو۔

اس کے باوجود بھی سچی بات یہی ہے کہ مطلقاً حدیث کی صحت کے لئے سلسلۂ سند کی ہر کڑی کا دوہری ہونا غیر ضروری ہے بلکہ صحت کے حقیقی اسباب وہی ہیں جن کو کسی حدیث کی صحت کے لئے عامہ محدثین ضروری قرار دیتے ہیں۔ یعنی الحازمی کے الفاظ میں۔

شرط الصحیح ان یکون اسنادہ — صحیح حدیث کی شرط یہ ہے کہ اس کی سند متصل
متصلا وان یکون راویہ غیر — ہو اور یہ کہ محدثین میں مسلم ہو، سچا ہو، تدلیس
مدلس ولا مختلطا متصفا — کا عادی نہ ہو اور نہ اختلاط کا عارضہ اس کو

---

[1] ہدی الساری مقدمہ فتح الباری مطبوعہ مطبع کبری میریہ

بصفات العدالة ضابطا متحفظا سلیم الذهن قلیل الوهم سلیم الاعتقاد[۱] — لاحق ہوا ہو عدالت کے صفات سے متصف ہو، ضبط کا سلیقہ رکھتا ہو، چوکنا بیدار ہو، ذہن اس کا سلیم ہو، وہم میں کم مبتلا ہوتا ہو، اعتقاد بھی اس کا درست ہو،

لیکن اگر کوئی شخص دوہری سند کا التزام کرے تاکہ اس کی روایتیں تمام کی تمام قوی مانی جائیں تو اس کی اس کوشش کو بہ نظر استحسان ضرور دیکھنا چاہیئے اور اس کی اس محنت و جانفشانی کی ضرور قدر ہونی چاہیئے اگر امام بخاری اپنی کتاب کو صحت کے انہی شرائط کے مدنظر ترتیب دیتے جو عامہ محدثین نے قرار دی ہیں تو ان میں اور دوسرے ائمہ میں فرق ہی کیا باقی رہتا؟ -

بخاری کی روایتوں کا امتیاز راویوں کی مدت صحبت اساتذہ کے نقطۂ نظر سے بہرحال پہلی خصوصیت تو بخاری کی روایتوں کی یہی ہے جس کی طرف الحاکم نے اشارہ کیا ہے لیکن ماسوا اس کے اصل چیز وہ ہے جس کی تفصیل الحازمی نے کی ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ اساتذہ حدیث اور ان کے تلامذہ کے تعلقات پر جب نظر کی جاتی ہے تو مدت صحبت کی کثرت کے لحاظ سے ان کے پانچ طبقات پیدا ہوتے ہیں یعنی عدل و حفظ ضبط و اتقان وغیرہ عام شرائط کے علاوہ بعض تلامذہ میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ سالہا سال تک اپنے استاد کی صحبت میں سفراً و حضراً خلوتاً و جلوتاً رہے ہیں اور بعض کی صحبت کی کیفیت ایسی نہیں ہے کوئی صرف چند درس ہی شریک رہا ہے کوئی صرف سفر میں اپنے استاد کی خدمت بجالاتا ہے بہرحال مدت صحبت کے لحاظ سے پہلی تو وہ کیفیت ہوئی جو اوپر بیان کر دی گئی اور آخری صورت یہ نکلتی ہے کہ استاد سے صرف ایک دفعہ شاگرد کی ملاقات ہوئی ہو۔ امام بخاری کی کتاب کا سندی امتیاز یہ ہے کہ پہلے طبقہ

۱؎ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۸

کے راویوں کی روایتوں کو وہ اصل کی حیثیت سے اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں اور تائید میں دوسرے درجہ کے راویوں کو بھی لے لیتے ہیں لیکن امام مسلم اول و دوم طبقہ کے راویوں کے اصل کی حیثیت سے لیتے ہیں اور تیسرے طبقہ کے راویوں کی روایتیں تائیدی طور پر درج کرتے ہیں صحیحین کی ان کتابوں میں سند کے اعتبار سے یہی فرق نظر آتا ہے پانچ طبقات میں سے باقی آخری دو طبقات کی کوئی روایت صحیحین میں نہیں ملتی۔ مثال سے اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ امام زہری جو حدیث کے ایک مرکزی راوی ہیں ان کے شاگردوں میں سے یونس بن یزید عقیل بن خالد مالک بن انس سفیان بن عیینہ شعیب بن ابی حمزہ یہ اول طبقہ کے لوگ ہیں اور امام اوزاعی لیث بن سعد عبدالرحمٰن بن خالد ابن ابی ذئب دوسرے طبقہ کے تلامذہ ہیں۔ جعفر بن برقان سفیان بن حسین اسحٰق بن یحییٰ کلبی یہ زہری کے تیسرے طبقہ کے شاگرد ہیں زمعہ بن صالح معاویہ بن یحییٰ الصدفی المثنیٰ بن صباح طبقہ رابعہ کے ہیں اور پانچوں طبقہ کے تلامذہ عبدالقدوس بن خبیب حکم بن عبداللہ اور محمد بن سعید المصلوب ہیں ان اصحاب میں سے آخری دو طبقہ والوں کی روایات صحیحین میں نہیں لی گئی ہیں۔

رواۃ حدیث کو پانچ طبقات میں الحازمی نے جو تقسیم کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ان کے حوالے سے فتح الباری کے مقدمہ میں اس کو نقل کیا ہے اس کے متعلق ایک بات جس کی املائی شرح میں مولانا انور شاہ کاشمیری قدس اللہ سرہ العزیز نے توجہ دلائی ہے خاص طور پر قابل لحاظ ہے یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح روایتوں کے لئے راویوں میں جن صفات کی ضرورت ہے ان کے ہوتے ہوئے مزید پانچ طبقات پیدا ہوتے ہیں لیکن مولانا موصوف نے تنبیہ کی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اور ان پانچ طبقات کی تقسیم کی صحیح شکل یہ ہونا چاہئے۔

۱۔ ضبط و اتقان میں بھی ان کا درجہ اعلیٰ ہو اور اساتذہ سے صحبت کی مدت

بھی کافی ہو۔

۲۔ضبط واتقان میں تو اعلیٰ درجہ کے ہوں لیکن صحبت کی مدت کم ہو۔

۳۔ضبط واتقان میں درجہ اعلیٰ ہو لیکن استاد سے لقا صرف ایک یا دو دفعہ ثابت ہو۔

۴۔ضبط واتقان میں بھی درجہ معیاری نہ ہو اور مدت صحبت بھی کم ہو۔

۵۔چوتھے درجے کی خصوصیات کے علاوہ ان پر کچھ جرح بھی کی گئی ہو۔

اس لحاظ سے امام بخاری پہلے درجہ کے راویوں کی روایتیں اصلاً لیتے ہیں اور تائیداً دوسرے درجہ کے راویوں کی روایات بھی لے لیتے ہیں۔ امام مسلم کے ہاں تیسرے درجہ کے لوگوں کی بھی روایات ملتی ہیں لیکن چوتھے اور پانچویں درجہ والوں کی روائتیں مسترد کر دی ہیں ابوداؤد چوتھے طبقہ تک کی روایتیں لے لیتے ہیں اور ترمذی میں پانچویں طبقہ تک کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابوداؤد اور ترمذی کے ہاں صرف چوتھے اور پانچویں درجہ والوں ہی کی روایتیں ہیں اول دوم سوم طبقہ والوں کی روایتیں نہیں ہیں جیسا کہ بعضوں کو غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ شیخین یعنی بخاری و مسلم کا قاعدہ تو یہ ہے کہ چہارم و پنجم طبقہ کے لوگوں کی روایتیں لیتے ہی نہیں بخلاف اس کے ابوداؤد ترمذی جب اعلیٰ معیار والی روایتیں نہیں ملتی ہیں تو چوتھے اور پانچویں طبقہ والوں کی روایتیں بھی لے لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ شیخین کے علاوہ صحاح ستہ کے مصنفین بدرجہ مجبوری آخری طبقات کی بھی روایتیں لے لیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی خاص توجہ کا مستحق ہے کہ ان طبقات کی تقسیم صرف ان ہی راویوں تک محدود ہے جو عامہ محدثین کی اصطلاح میں مکثرین کہلاتے ہیں یعنی جیسا کہ پہلے کہیں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ راوی جن سے بکثرت روایتیں مروی ہیں۔ جیسے زہری ایک مکثر راوی

ہیں اوران کے شاگردوں کو پانچ طبقات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے اس طرح نافع مولی ابن عمر اعمش قتادہ وغیرہ مکثرین کے تلامذہ کی طبقاتی تقسیم ہو سکتی ہے لیکن راویوں کا وہ گروہ جنہیں مکثرین میں شمار کیا جاتا ہے یا جن سے معدودے چند روایتیں مروی ہیں ان کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے ۔

فانما اعتمد الشیخان فی تخریج احادیثھم علی الثقۃ والعدالۃ وقلۃ الخطایا لکن منھم من قوی الاعتماد فاخرجا ما تفرد بہ یحیی بن سعید الانصاری و منھم من لم یقوا الاعتماد علیہ فاخرجا لہ ما شارکہ فیہ غیرہ وھو الاکثر[1]	شیخین بخاری و مسلم نے اس قسم کے بزرگوں کی روائتوں کے درج کرنے میں صرف ان کی ثقاہت اور عدالت اور یہ کہ ان سے غلطیاں کم سرزد ہوتی ہیں ، بس ان ہی باتوں کو دیکھا ہے پھر ان میں بعض لوگ تو ایسے ہیں جن پر کافی اعتماد کیا گیا ہے اتنا اعتماد کہ صرف ان کے بھروسہ پر روایت بخاری و مسلم نے لے لی ہے ، مثلاً یحیی بن سعید الانصاری کی روائتوں کا جو حال ہے ، اور بعض لوگ اس سلسلہ میں ایسے ہیں جن پر اتنا زیادہ اعتماد نہیں کیا گیا ہے اسی لئے ان کی روایتیں اسی وقت لی جاتی ہیں جب ان کی تائید میں دوسرا بھی شریک ہو ، اور اسی قسم کے لوگ زیادہ ہیں ۔

رواۃ بخاری اور مسلم میں فرق | بخاری اور مسلم کے راویوں کے فرق کو شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن حجر

---

[1] ہدی الساری صلہ

نے نہایت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب مقدمہ فتح الباری میں بیان فرمایا ہے انھوں نے پانچ فرق بیان کئے ہیں -

۱- چار سو تیس آدمی ایسے ہیں جن سے بخاری میں حدیثیں لی گئی ہیں اور امام مسلم نے نہیں لی ہیں اور ان چار سو تیس آدمیوں میں سے اسی آدمی ایسے ہیں جن پر ائمہ جرح و تعدیل نے کلام کیا بخلاف اس کے مسلم کے چھ سو روۃ ایسے ہیں جن سے بخاری نے روایت نہیں لی ہے اور ان چھ سو میں سے ایک سو ساٹھ اصحاب پر کلام کیا گیا ہے۔ اس تعداد سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بخاری کے ایسے راوی جن پر کلام کیا گیا ہے مسلم کے راویوں کے مقابلہ میں نصف ہیں اور یہ بہت بڑا امتیاز ہے جو بخاری کو حاصل ہے -

۲- بخاری کے جن راویوں پر کلام کیا گیا ہے عموماً ایسے لوگ ہیں جن سے بہت کم حدیثیں مروی ہیں مگر مسلم میں متکلم فیہ رواۃ کی روایتوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے بخاری کے راویوں میں صرف ایک راوی ایسا ہے جس سے امام بخاری نے زیادہ روایتیں لی ہیں اور وہ عکرمہ ہیں جب وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں - مگر مسلم کے یہاں سے راویوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مثلاً ابی الزبیر عن جابر حماد بن سلمہ عن ثابت سہیل عن ابیہ وغیرہم -

۳ - یہ فرق نہایت اہم ہے اور بخاری کی ترجیح کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے یعنی بخاری کے متکلم فیہ راویوں میں اکثریت ان ہی لوگوں کی ہے جن سے براہ راست بخاری نے روایتیں اخذ کی ہیں مگر مسلم میں ان کے اساتذہ کے سوا اوپر کڑیوں میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جن پر جرح کی گئی ہے - اس فرق کے اہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے جن لوگوں سے روایتیں لی ہیں ان کو دیکھنے بھالنے جانچنے پرکھنے کا براہ راست تجربہ ان کو ہوا تھا اور اپنے ان ذاتی

تجربات کی بناء پر انہوں نے ان لوگوں کی پرواہ نہ کی جنہوں نے ان پر جرح کی تھی اور یہ بات قرین قیاس بھی نہیں کہ ایسا شخص جو یہ مطمع نظر و نصب العین لے کر اٹھا ہو کر اپنے محبوب پیغمبر کی طرف جو جھوٹی و ضعیف روایتیں منسوب کر دی گئی ہیں اس داغ سے نبوت کے دامن کو پاک کر کے رہیں گے پھر اتنی محنت و جانفشانی اس مہم کی سرانجامی میں کی گئی ہر حدیث غسل اور دو رکعت نفلوں کے بعد درج کی گئی ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود کہے کہ

ما ادخلت فی کتابی الجامع الا — اپنی اس کتاب میں ایسی روائت کو شریک کیا

ماصحّ — ہے جس کی صحت ثابت ہو چکی ہے۔

ایسے شخص سے یہ توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے کہ وہ ایسی حدیثوں کو جس کے راویوں کے متعلق ذاتی تجربات کی بناء پر اس کو معلوم ہے کہ کہنے والے ان کو ضعیف وغیرہ قرار دیتے ہیں اس کا واقعہ سے تعلق ہے اور اس علم کے باوجود اپنی اسی کتاب میں ان ہی لوگوں کی روائتوں کو جگہ دے جس کے متعلق اس کا التزام و اعلان ہو کہ ضعیف روایتوں کو اس میں درج نہ کرے گا۔

۴۔ چوتھا فرق وہی ہے جس کی تفصیل حازمی نے طبقات رواۃ کی بنیاد پر کی ہے جس کو تفصیل سے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اس میں بھی امام بخاری کی نزاکت پسندی امام مسلم کے التزامات سے کہیں بڑھ چڑھ کر نظر آتی ہے

۵۔ پانچواں فرق مُعَنعَن روایات کے بارے میں پیدا ہوتا ہے اس نے بہت سے محدثین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے اور اسی لئے یہ مسئلہ ذرا تفصیل کا محتاج ہے

<u>معنعن روایات</u> | معنعن روایات سے ایسی روایتیں مراد ہیں جن میں رواۃ نے عَنعَنہ سے کام لیا ہو یعنی ایسے الفاظ استعمال کئے ہوں جو بذات خود اس پر دلالت نہیں کرتے ہوں کہ جن شیوخ سے راوی روایت کرتا ہے اس کی یہ روایت براہ راست ان سے سنی ہوئی ہے یا بالواسطہ

روایت اس تک پہنچی ہے مثلاً "عن" کا لفظ ہے ایک شخص آج بھی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ سکتا ہے کیونکر "عن" کے مفہوم میں اس کی گنجائش ہے (یعنی رسول اللہ سے فلاں بات نقل کی گئی ہے) بہرحال عن کا لفظ بذات خود یہ نہیں بتاتا کہ براہ راست رسول کریم سے کہنے والے نے سنا ہے یا نہیں بہرحال "عن" یا اس کے قایم مقام الفاظ جب سند میں استعمال کئے جاتے ہیں تو محدثین اس کو عنعنہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی سے مشتقات بھی پیدا کر لئے ہیں جیسے معنعن وغیرہ

واقعہ یہ ہے کہ ترتیب وتدوین احادیث کے ابتدائی دور میں جیسا کہ بعد میں تنقیح وجانچ سے معلوم ہوا وضع واختلاق سے بھی لوگ کام لینے لگے تھے۔ یعنی اپنی اپنی مرضی وشخصی عقائد وخیالات کی موافقت کرنے والی جھوٹی حدیثیں گھڑ رہے تھے اسی طرح تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ اپنی روایتوں کو جن کے راویوں کے متعلق وہ جانتے تھے کہ ان کا نام کسی نہ کسی وجہ سے ایسے لوگوں کی فہرست میں ہے جن پر کلام کیا گیا ہے تو ان کے نام اس خوف سے کہ کہیں خود کی بیان کردہ روایت کی قیمت گر نہ جائے ظاہر نہیں کرتے تھے اور اس اخفاء کے لئے عجیب عجیب طریقے اختیار کرتے تھے مثلاً ایسے موقعہ پر متکلم فیہ راوی کا نام چھوڑ کر اوپر والے غیر متکلم فیہ راوی کا نام لے دیتے تھے اور اس کو مبہم کرنے کے لئے کہ درمیان میں کوئی راوی چھوٹا ہے یا نہیں ایسے الفاظ استعمال کر دیتے تھے جو قطعی طور پر اتصال پر دلالت نہ کرتے ہوں جیسے یہی "عن" کا لفظ ہے اب اگر کبھی ان کی گرفت کی جاتی کہ اس راوی سے براہ راست کیسے روایت کر سکتے ہو تو جواب میں بلاجھجک کہہ دیتے کہ میں نے اتصال کا دعوی ہی کب کیا ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ فلاں شخص سے یہ روایت مروی ہے۔

اسی طرح کبھی متکلم فیہ راوی کا جو مشہور نام ہوتا اس کو ترک کرکے غیر مشہور نام مثلاً اس کی کنیت یا لقب وغیرہ استعمال کرتے جس سے عموماً لوگ ناواقف ہوتے اور یہ سب محض اس

لئے کرتے تھے کہ لوگوں کا اعتماد روایت پر سے جاتا نہ رہے اس سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ بعض بعض راویوں کے سو سو تک نام رکھے گئے مثال کے طور پر محمد ابن سعید المصلوب کا نام پیش کیا جا سکتا ہے ۔ ان کے متعلق ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ سو سے بھی زیادہ ناموں سے ان کی روایتوں کو چلتا کرنے کے لئے لوگوں نے ان کو موسوم کیا ہے ۔

بہرحال یہی وہ طریقہ ہے جس کو اصطلاح محدثین میں تدلیس کہتے ہیں یعنی تاریکی پھیلانا تحقیق سے پتہ چل چکنے کے بعد کہ بعض لوگ اس کے مرتکب ہوتے ہیں یہ ضروری معلوم ہوا کہ رجال کے رجسٹر میں ان کی اس عادت بد کا ذکر کر دیا جائے اور ایسے تمام حضرات کے نام آپ کو رجال میں مل جائیں گے تاکہ جب کبھی ان تدلیس پیشہ راویوں کی روایتیں لوگوں کے سامنے آئیں تو ان سے دھوکہ نہ کھائیں ۔ اور ایسوں کے متعلق تو ایک کلیہ ہی بنا دیا گیا یعنی مدلس جب عنعنہ سے کام لے تو بے کھٹکے اس کے روایات اس وقت تک منقطع سمجھے جائیں گے جب تک کہ بیرونی قرائن سے اتصال کا پتہ نہ چل جائے اس کلیہ کی حد تک شیخین (بخاری و مسلم) متفق ہیں ۔

لیکن سوال ایسے راویوں کے متعلق پیدا ہوتا ہے جو تدلیس کے عیب سے پاک ہیں اور وہ "عن" کے ذریعہ روایت کرتے ہیں اس میں بھی ایک صورت تو یہ ہے کہ دونوں کے سن ولادت و وفات کے دیکھنے سے پتہ چل جائے کہ معاصرت دونوں میں ممکن نہیں اس صورت میں تو بالاتفاق یہ روایت منقطع سمجھی جائے گی اور اگر سنین ولادت و وفات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ معاصرت ممکن ہے یعنی ایک ہی زمانے میں دونوں پائے جا سکتے ہیں تو غیر مدلس راویوں کی روایتیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متصل سمجھی جائیں گی وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجماع بھی یہی ہے کہ ایسی روایتوں میں اتصال کے لئے صرف معاصرت کافی ہے ۔ یعنی ان دونوں میں باہمی ملاقات کسی دلیل سے نہ بھی ثابت ہو جب بھی یہی سمجھا

جائے گا کہ راوی اور مروی عنہ میں کوئی دوسرا شخص حائل نہیں ہے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مدلس نہیں تھے تو بلا وجہ درمیان کے راوی کو حذف کرنے کی آخران کو ضرورت ہی کیا تھی۔

امام مسلم نے اس اجماع کے نقل کرنے کے بعد نام کی تصریح کئے بغیر لکھا ہے کہ اس اجماعی مسئلہ سے اختلاف کرکے بعض لوگوں نے انصال کے لئے علاوہ معاصرت زمانی کے راوی اور مروی عنہ کی باہمی ملاقات کے ثبوت کو بھی لازمی و ضروری قرار دیا ہے خواہ یہ ملاقات ایک ہی دفعہ کیوں نہ ثابت ہو۔ لوگوں کا خیال ہے کہ امام مسلم نے اگرچہ نام کی صراحت نہیں کی ہے لیکن ان کا اشارہ امام بخاری کی طرف ہے امام مسلم نے ایک نہایت طویل گفتگو کرکے اس کو رد کیا ہے۔ اس میں ان کی سب سے بڑی گرفت یہ ہے کہ صرف لقا خواہ وہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو جب اس کو اتصال کے لئے کافی سمجھا جا سکتا ہے تو صرف معاصرت زمانی کو بھی کافی سمجھنا چاہئے کیونکہ اگر کسی ایک شخص کی ملاقات دوسرے سے ایک دفعہ ثابت بھی ہو تو کیا ضروری ہے کہ تمام روایات جو براہ راست ایسے شخص سے کی جائیں متصل سمجھی جائیں ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ کی ملاقات میں ایک ہی روایت سنی ہو اور باقی روایات بالواسطہ سنی ہوں اور یہ ضروری نہیں کہ ایک دفعہ کی ملاقات میں ایک شخص ان تمام روایتوں کو سن لے جو اس کے شیخ سے مروی ہیں۔ نتیجہ اس بحث سے یہ نکلتا ہے کہ ایک دفعہ کے لقا کی وجہ سے تمام روایات کو متصل قرار دے لینا محض راوی کے ساتھ حسن ظن ہی پر مبنی ہو سکتا ہے ورنہ عقلی طور پر تو یہی ہونا چاہئے کہ جب تک ہر ہر روایت میں لقا ثابت نہ ہو اس کو متصل نہ سمجھا جائے اور جب بنیاد حسن ظن پر ہی ٹھہری تو معاصرت ثابت ہو جانے کے بعد بھی حسن ظن سے ہی کیوں نہ کام لیا جائے خلاصہ یہ ہے کہ اس لقا کی شرط کے اضافہ سے کچھ زیادہ قوت اتصال کے مسئلہ میں پیدا نہیں ہوتی۔ بہر حال حسن ظن ہی پر بات ٹھہر جاتی ہے اسی لئے لوگوں نے امام مسلم ہی کے

مسلک کو ترجیح دی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو یہ بحث اس قدر اہم ہے جتنی کہ اہمیت امام مسلم نے اس کو دی ہے اور نہ ان کی گرفت کوئی گرفت ہے کیونکہ جیسا کہ ارباب تحقیق نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری کا مسلک بھی یہی ہے کہ وہ روایت کی صحت کے لئے صرف معاصرت زمانی کو کافی سمجھتے ہیں۔ البتہ اپنی خاص کتاب صحیح بخاری میں انہوں نے لقا کی شرط لگا کر گویا ایک فنی التزام کر رکھا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود امام بخاری نے "صحیح بخاری" کے سوا اپنی تمام دوسری کتابوں میں ایسی معنعن حدیثوں کو داخل کر لیا ہے جن میں صرف معاصرت کا ثبوت بہم پہنچا ہے اور لقا کا ثبوت فراہم نہ ہو سکا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے بعض شعراء اپنے اشعار کے ردیف وقافیہ وغیرہ میں کسی خاص صنعت کا التزام کر لیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ جن اشعار میں ان کے التزامی شرائط مفقود ہوں گے وہ شعر باقی نہیں رہیں گے زیادہ سے زیادہ اگر کبھی ایسے التزامات پر اعتراضات کی گنجائش نکلتی ہے وہ صرف اسی وقت جب کوئی شخص پورے طور سے خود اپنے ہی عائد کردہ التزامات کو نباہ سکے اور ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری اپنے اس التزام میں کامیاب ہوئے ہیں۔

معنعن روایات کے سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہئے۔ امام بخاری کے طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عموماً وہ راوی کی کسی ایسی سند کو پیش کر دیتے ہیں جس میں اُس نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہوں جو قطعی طور پر اتصال پر دلالت کرتے ہوں مثلاً "حدثنا" یا "اخبرنا" جیسے اتصالی الفاظ سے اسی راوی سے روایت کی ہو جس سے معنعن روایت کر رہے ہوں۔

بخاری کے رجال پر تنقید | جیسا کہ پہلے بھی اشارتاً بیان کیا جا چکا ہے یعنی بہت سے لوگوں نے بخاری اور مسلم کے راویوں پر سنداً تنقید بھی کی ہے جس میں دارقطنی ابو علی غسانی اور ابو مسعود دمشقی

کی تنقیدیں بہت مشہور ہیں حتیٰ کہ ابن جوزی نے تو بعض روایتوں پر موضوع ہونے تک کا الزام لگایا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ رواۃ کے حالات کب قابل قبول ہوتے ہیں اور کب نہیں ہوتے؛ اس کا فیصلہ کرنا ہر عامی آدمی کا کام نہیں بلکہ فن تنقید میں انتہائی کمال جب تک حاصل نہ ہو اس وقت تک رائے قایم کرنے کا استحقاق پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر کمال کا درجہ حاصل کئے بغیر رائے قایم کر دی جائے تو اس کا صحیح ہونا قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس کا حال بالکل وہی ہے جو فقہ کا ہے فقہی مسائل میں صرف ائمہ مجتہدین ہی صحیح رائے قایم کرنے اور اپنی رائے کی بناء پر فتویٰ دینے کا حق رکھتے ہیں اور جیسے فقہ میں ترجیح ائمہ کے کمال کو پیش نظر رکھ کر دی جاتی ہے یہی حال رجال کے تنقیدی نتائج کا بھی ہے گویا اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ ان اعتراضات کی نوعیت ایسی ہے جیسے کسی فن کے ماہرین کا کسی مسئلہ پر اختلاف ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت عام قاعدہ یہی ہے کہ فن میں جس کی مہارت سب سے زیادہ مسلم ہوتی ہے اسی کی رائے پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جان و مال کے معاملہ میں بھی لوگ یہی طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ بیمار کے مرض کی تشخیص میں اطباء و ڈاکٹروں میں جب اختلاف ہوتا ہے تو لازماً مریض کی جان اسی طبیب یا ڈاکٹر کے سپرد کر دی جاتی ہے جو ان میں سب سے بڑا سب سے زیادہ قابل و ماہر فن مانا جاتا ہے۔

اب کھلی ہوئی بات ہے کہ اس فن یعنی فن حدیث رجال و تنقید میں بخاری اور مسلم ہی (HIGHER AVTTHORITY) ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا جب ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی کتابوں کا نام "صحیح" رکھا اور خصوصاً جب بخاری سے اس قسم کی روایتیں ملتی ہیں مثلاً

ما ادخلت فی الصحیح حدیثا الا بعد	میں نے اپنی اس کتاب "الصحیح" میں کوئی روایت
ان استخرت اللہ تعالیٰ و تیقنت	اس وقت تک داخل نہیں کی جب تک خداوند تعالیٰ
صحتہ	سے استخارہ نہ کر لیا اور اس کے بعد اس

روایت کی صحت کا مجھے یقین نہ حاصل ہوگیا۔

تو کیا وجہ ہے کہ ان کے قول پر بہ نسبت ان لوگوں کے جن کا درجہ فن تنقید میں ان اماموں سے فروتر ہے زیادہ اعتماد نہ کیا جائے یہی مطلب ہے امام مقدسی کے اس مشہور فقرہ کا یعنی جب کبھی کسی راوی کا نام آتا اور وہ یہ دیکھ لیتے کہ بخاری یا مسلم نے ان کی روایت قبول کی ہے تو فرماتے

ھذا جاز القنطرۃ یعنی بذلک انہ لا یلتفت الی ما قیل	یہ شخص پل (راوی) پل کے پار ہوگیا مطلب ان کا یہ ہوتا تھا کہ بخاری و مسلم نے جن راویوں کی روایت قبول کرلی ہے اس کے بعد دوسروں نے اگر ان راویوں پر کلام بھی کیا ہو تو اس کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اجماع امت اگر ان دلائل میں سے ہے جن کے نتائج پر یقین کیا جاسکتا ہے تو اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ صحیحین کی روایتوں کی صحت پر بھی مسلمانوں کا اجماع قائم ہوچکا ہے اور غالباً اسی دلیل کی روشنی اور اسی سبب کی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی روایتوں کے مسترد کرنے والوں پر گمراہی کا فتویٰ دیا ہے اور "یتبع غیر سبیل المؤمنین" کے ذیل میں ان لوگوں کو داخل کیا ہے جو صحیحین کی روایتوں کے متعلق بدگمانیاں پھیلاتے پھرتے ہیں۔

آخر میں اس بات کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ بخاری کی روایتوں کی صحت پر غیر معمولی اعتماد جو کیا جاتا ہے اس کا تعلق صرف ان ہی روایتوں سے ہے جنہیں مسندات کہا جاتا ہے یعنی وہ روایتیں جو سند کے ساتھ اس کتاب میں درج ہیں باقی امام بخاری نے تراجم ابواب کے بیچ بیچ میں جن معلقات یعنی بغیر سند کے روایتوں کا تذکرہ کیا ہے وہ الگ چیز ہے بقول حافظ ابن حجر کے۔

فانھا لیست من موضوع الکتاب　　"معلقات" کا تعلق کتاب کے اصل موضوع سے

وانما ذکرت استیناساً واستشهاداً سے نہیں ہے بلکہ (صحیح حدیثوں کے مقاصد سے) مانوس کرنے اور ان کی تائید میں معلقات کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

بخاری شریف کے معنوی خصوصیات

جیسا کہ عرض کرچکا ہوں بخاری کی کتاب کے اس پہلو پر بہت کم توجہ کی گئی ہے جن حضرات نے تھوڑی بہت توجہ کی بھی ہے انھوں نے صرف اجمالی اشاروں سے کام لیا ہے۔ نووی اور اور اسماعیلی کے اقوال کا ذکر آچکا ہے اگر کسی نے سب سے پہلے ذرا زیادہ تفصیلی حیثیت سے بخاری کے اس معنوی پہلو کی طرف توجہ کی ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ذات با برکات ہے اپنی کتاب شرح تراجم ابواب بخاری کے دیباچہ میں وہ ارقام فرماتے ہیں۔

اول ما صنف اهل الحديث في علم الحديث جعلوه مدونا في اربعة فنون السنة اعني الذي يقال له الفقه مثل موطا مالك وجامع سفيان وفن التفسير مثل كتاب ابن جريج وفن السير مثل كتاب محمد بن اسحق وفن الزهد والرقاق مثل كتاب ابن المبارك فاراد البخاري

حدیث والوں نے علم حدیث میں پہلی دفعہ جو کتابیں تصنیف کیں تو عموماً یہ کتابیں چار فنون میں سے کسی ایک فن پر مشتمل ہوتی تھیں یعنی "السنۃ" پر ان کی کتاب مشتمل ہوتی تھی دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر فقہ سے کرتے ہیں امام مالک کی موطا اور سفیان ثوری کے جامع کا یہی حال ہے اور دوسرا فن جس پر اس زمانے میں لوگوں نے کتابیں لکھیں فن تفسیر ہے مثلاً ابن جریج کی کتاب اسی نوعیت کی تھی تیسرا فن سیر کا ہے مثلاً محمد